زیارتِ قبور
قرآن وحدیث کی روشنی میں
از قلم
صاحبزادہ سیّد ارشد سعید کاظمی مدظلہ العالی

حبیبی یا رسول اللہ

زیارتِ قبور

قرآن وحدیث کی روشنی میں

از قلم

صاحبزادہ سید **ارشد سعید کاظمی** مدظلہ العالی

صلاح الدین سعیدی

اویسی بک سٹال

جامع مسجد رضائے مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیپلز کالونی گوجرانوالہ

نام کتاب: زیارتِ قبور (قرآن وحدیث کی روشنی میں)

از قلم: حضرت علامہ صاحبزادہ سیّد ارشد سعید کاظمی

پروف ریڈنگ: محمد نعیم اللہ خاں قادری

اعراب: محمد نعیم اللہ خاں قادری

با اہتمام: شیخ محمد سرور اویسی

تعداد: 1100

سن اشاعت: 14 اگست 2009ء

صفحات: 64

ہدیہ: 40 روپے

ملنے کے پتے

اویسی بک سٹال گوجرانوالہ 0333-8173630

مکتبہ فیضان مدینہ گھکڑ / مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں

رضا بک شاپ گجرات / مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ

مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ

مکتبہ فیضانِ مدینہ سرائے عالمگیر، مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر

مکتبہ فیضانِ اولیاء کامونکی / مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم گجرات

صراط مستقیم پبلی کیشنز 5,6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور

042-7115771, 0321-9407699

فہرست

☆☆☆☆☆

اَلانتساب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج ۲۷، رمضان المبارک کی رات ہے اور مسجد نبوی شریف میں اصحابِ صفہ اور سرکار کی قبر انور کے درمیان حاضر ہُوں جب کہ آج مسجد نبوی شریف میں خلقت کا اژدہام اور جمع غفیر ہے جو سرکار کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے ہوئے رب العالمین کے سامنے سر بسجود ہے۔ رات بارہ بجکر سات منٹ ہوئے ہیں، نُور کی بارش ہو رہی ہے اور سرکار ایک ہی لحہ میں اپنے تمام غُلاموں کو صرف دیکھ ہی نہیں رہے ہیں بلکہ اُن کے احوال سے بھی خوب آگاہ ہیں اور ان کے حسب حال مُشکل کُشائی بھی فرما رہے ہیں۔

آج سرکار کی بارگاہ میں مَیں اپنی کتاب "زیارتِ قبور" کی نسبت اپنے چچا سیّد لئیق احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتا ہوں اور سرکار کی بارگاہ میں عرض گزار ہوں کہ جو بھی اِس کتاب سے نفع اُٹھائے فیض حاصل کرے تو اُس کا ثواب میرے چچا سیّد لئیق احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچے اور کرم فرماتے ہوئے ان کی تُربت کو اپنے نُور سے منوّر فرمائیں اور ان کی اولاد کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین

سگِ درگاہِ جیلانی

سیّد ارشد سعید کاظمی

۲۷ رمضان المبارک، بروز پیر ۲۹ مارچ ۱۹۹۲ء

الاھداء

کسی امر کے جائز یا نا جائز ہونے کا انحصار قرآن وسنّت پر ہے، لوگوں کی تہذیب وتمدن پر نہیں، مثلاً حج اسلام کا عظیم الشان رُکن ہے، اگر کوئی شخص دورانِ حج فُحش گوئی کرے یا لوگوں کو ایذا پہنچائے تو ان قبیح اُمور پر حج میں مین میکھ نکالنا یا اس رکن کو نا جائز وحرام قرار دینا عقل وخرد کے مطابق نہیں۔ ہاں حج کی عظمت کو پامال کرنے والا شخص ضرور قابلِ مذمت ہے اور یہی حال دیگر اُمورِ شرعیہ کا ہے کہ ان میں خرابیاں پیدا کرنے والا قابلِ ملامت ہے۔ اسی طرح مزارات پر حاضری دینا جس کا جواز صحیح حدیثوں میں وارد ہے جیسا کہ مسلم شریف کتاب الجنائز میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔ (مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور فصل اوّل)

اس حکم کے بعد بھی اگر کوئی شخص قبروں کی زیارت سے اس بنا پر روکتا ہے کہ وہاں قبروں کا تقدس پامال ہوتا ہے یا لوگ غیر شرعی امور کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے سجدہ کرنا یا وہاں عورتوں اور مردوں کا اس طرح اختلاط کہ احکامِ شرعیہ کا پاس نہ رہے۔

اگر چہ یہ اُمور نا جائز اور حرام ہیں لیکن ان لغویات کی بنا پر قبروں کی زیارت کو نا جائز قرار دے دینا کہیں کا انصاف نہیں، کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ نے

قبروں کی زیارت کا حکم دیا ہے۔ غور فرمائیں کہ کیا کسی اُمتی کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے سے سرکار کی حدیث کو منسوخ اور نا قابلِ عمل قرار دے دے؟ نہ تو یہ عقل کے مطابق ہے اور نہ ہی شرع کے۔

اس بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ حرمِ مکّہ ہو یا عام شہر، مزارات ہوں یا مسجدیں، جہاں کہیں بھی اُمورِ شرعیہ کا خلاف ہو رہا ہو اس کی روک تھام کے لئے پوری قوت صرف کر دینی چاہیئے اور مذہب ودین کی راہ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیئے لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ طوفان مزارات کے خلاف ہی کیوں؟

یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ کوئی شخص حضرت مریم اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام کی مخالفت پر تُل جائے اور معاذ اللہ! ان کی شان میں گستاخی کے کلمات اس بنا پر کہے کہ عیسائی ان کی پرستش کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ اس مُشرکانہ عقیدہ میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا کسی قسم کا دخل نہیں، بلکہ قصور اس کا ہے جو انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے، بالکل اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مزارات اور قبروں پر جا کر نا جائز کام کرتا ہے تو اسی کے خلاف مہم سازی ہونی چاہیئے چہ جائیکہ قبروں پر جانے کی بندش کر دی جائے، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی اجازت اور حکم دیا ہے۔ اگر مکھی ناک پر بیٹھے تو مکھی کو اُڑانا چاہیئے نہ کہ ناک ہی کا صفایا کر دیا جائے۔

توحید کی قسمیں :۔

مُوَحِّدین کی دوقسمیں اُسی وقت ہوگئی تھیں جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا، یعنی ایک طرف فرشتے تھے اور دوسری طرف شیطان ۔دونوں عقیدۂ توحید رکھتے تھے۔نہ شیطان مشرک تھا اور نہ فرشتے۔اسی لئے قرآن پاک میں شیطان کو کافر تو کہا گیا ہے مشرک نہیں، ملاحظہ ہو۔وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْن۔ہاں فرشتوں کی توحید اللہ کے حکم کے عین مطابق تھی لیکن شیطان کی توحید منکرانہ تھی۔ایسی توحید اس کے کسی کام نہ آئی اور وہ مردود ہوگیا۔اسی لئے ہم کہتے ہیں جو عقیدۂ توحید قرآن واحکامِ الٰہی کے خلاف ہو وہ قطعاً جائز نہیں ۔چند حضرات توحید کا جھانسہ دے کر قبروں اور مزارات پر جانے سے روکتے ہیں، یہ دھوکہ ہے کیوں کہ یہ بات حدیث کے خلاف ہے۔رہا قبروں کو سجدہ کرنا تو یہ شریعتِ محمدیہ میں مطلقاً حرام ہے۔اگر کوئی شخص صاحبِ قبر کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہوئے سجدہ کرے تو ایسا کرنے والا جاہل، بے دین، بدمذہب اور مشرک ہے،اور اگر فقط تعظیماً سجدہ کرے تو ایسا کرنے والا جاہل، گمراہ اور مرتکبِ حرام ہے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے سجدۂ تعظیمی سے منع فرمایا ہے۔مقامِ افسوس ہے کہ آج ایک فرقہ مخلوقِ خدا کو راہِ راست سے ہٹانے میں کوشاں ہے حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔(پ ۴ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

"وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاو جو متفرق ہو گئے روشن دلیلیں آچکنے کے بعد بھی انہوں نے اختلاف کیا،اور انہیں لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔(پ ۴ سورۃ آلِ عمران۔آیت:۱۰۵)

نہ معلوم لوگوں کو کیا ہوا کہ ترکِ اتباعِ رسول کو اپنا شیوہ بنالیا ہے اور قرآن و حدیث میں غور کیے بغیر نئے مذاہب کی بنیاد رکھ لی۔فضائل ومکارم کی حدیثوں کو ضعیف کہنے لگے۔لیکن جب اس سے بھی جی نہ بھرا تو کُتُبِ احادیث میں قطع وبرید شروع کردی، اپنی رائے اور خودساختہ مذہب کی مخالف حدیثوں کو نکالا جانے لگا۔

فقیر آپ کے سامنے بغیر کسی تعصب کے اظہارِ حق کے لئے حسبِ سابق حاضر ہے

سرِ دست قبور سے متعلق درج ذیل اُمور کو دلائلِ شرعیہ سے واضح کیا جاتا ہے جن میں فقط قرآن وحدیث سے استدلال ہے

1۔کیا قبروں پر جانا اور وہاں دُعا کرنا جائز ہے۔؟

2۔الف۔کیا قبروں کو زمین سے ملا دینا چاہیئے یا ان کے نشان باقی رکھنے چاہئیں۔؟

ب۔ مزارات پر عمارت اور قُبے بنانا جائز ہے یا نا جائز۔؟

3۔مزارات پر پھول چڑھانے کیسے ہیں۔؟

4۔قبروں میں جانے کے بعد انبیا علیہم السلام کے اجسام کی کیفیت۔؟

5۔مزارات میں دعا مانگنے کا طریقہ۔؟

ہر ایک کا بیان ترتیب وار ملاحظہ ہو

1۔قبروں پر جانا اور وہاں دُعا کرنا۔

حدیث نمبر 1: مسلم اور سنن نسائی میں ہے۔قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا۔ (مسلم کتاب الجنائز، ج:۱،ص:۳۱۴،نسائی،ص:۶۲۵،مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے صحابہ! میں نے آپ کو پہلے قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب آپ ان کی زیارت کیا کریں۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔1 قبروں کی زیارت کیسے کرنا جائز ہے۔2 قبروں کے نشانات موجود تھے، کیوں کہ جب تک قبر نظر نہ آئے اس وقت تک اس کی زیارت کیسے ممکن ہے۔

حدیث نمبر 2:۔حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں دن تقسیم فرمائے ہوئے تھے، ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ میری باری پر میرے پاس تشریف فرما تھے۔اسی دوران آپ نے

کروٹ لی اور جُوتیاں اپنے پاس رکھ لیں اور چادر کا بچھونا بچھایا۔اس کے بعد آپ اتنی دیر ٹھہرے کہ آپ کو خیال ہوا کہ میں سو گئی ہوں، بعد ازاں حضور ﷺ نے خاموشی سے جوتیاں پہنیں، اپنی چادر مبارک اٹھائی، آہستہ سے دروازہ کھولا، چپکے سے باہر تشریف لے گئے۔یہ صُورتِ حال دیکھ کر میں بھی اپنے کپڑے دُرست کر کے حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چلی یہاں تک کہ آپ ﷺ جنت البقیع قبرستان تک تشریف لائے۔دونوں ہاتھ مبارک تین مرتبہ اٹھائے اور کافی دیر تک کھڑے رہے، پھر واپس لوٹے، آپ تیزی سے چلے تو میں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا، میں آپ ﷺ سے پہلے گھر پہنچی، پس لیٹی ہی تھی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا: اے عائشہ! آپ کی سانس کیوں پھولی ہوئی ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں۔آپ نے فرمایا: آپ مجھے بتا دیں ورنہ سب باریکیوں کا جاننے والا اللہ تعالیٰ مجھے بتا دے گا۔میں نے سب ماجرا عرض کر دیا۔پھر آپ نے فرمایا: جبریل امین میرے پاس آئے تھے فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَ الْبَقِیْعَ فَاستغفرلھم پس انہوں نے مجھے کہا کہ میں جنت البقیع قبرستان میں جاؤں اور اپنے صحابہ کرام کے لئے دعائے مغفرت کروں (ملخصًا نسائی کتاب الجنائز ص ۲۲۲، صحیح مسلم، کتاب الجنائز)

اس حدیث سے چار اُمُور ثابت ہوئے۔

1۔حضور ﷺ مومنین کی قبروں پر تشریف لے گئے اور دُعا فرمائی (لہٰذا یہ

سُنّتِ مُطہرہ قرار پائی) 2۔ تین مرتبہ دعا فرمائی۔ 3۔ سرکار ﷺ کا قبور پر تشریف لے جانا اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ہوا جو بذریعہ جبریل امین آپ تک پہنچا تھا 4۔ آپ کو علمِ غیب دینے والا اللہ ہے اس لئے آپ نے فرمایا سب باریکیوں کا جاننے والا مجھے بتادے گا۔

حدیث نمبر 3۔ حضرت محمد بن نعمان مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ قَالَ النَّبِیّ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِ ھِمَا کُلِّ جُمُعَۃٍ غُفِرَ لَہٗ وَکُتِبَ بَرًّا
(مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور ص ۱۵۶)

ترجمہ۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو وہ نیک لکھا گیا۔

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی قبروں پر جانا کفارۂ گناہ ہے۔
اگر قبروں پر جانا مطلقاً ناجائز اور حرام ہوتا تو یہ باعثِ بخشش اور خیر وبرکت کیسے ہوا۔

قبریں سطح زمین سے اُونچی بنائی جائیں یا زمین کے برابر؟

اس سلسلے میں سردست حدیثیں مُلاحظہ فرمائیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبور کو سطح زمین سے اُونچا ہونا چاہیئے۔

حدیث نمبر 1۔ بخاری شریف کتاب الجنائز باب علی الجرید علی القبر میں تعلیقاً یہ حدیث اس طرح ہے کہ حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ خلیفۂ سوم کے دورِ خلافت کی بات ہے، اِنَّ اَشَدَّ نَا وَثْبَۃً الَّذِیْ یَثِبُ

قَبْرَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنَ حَتّٰی یُجَاوِزَہٗ۔ ہم میں بڑا کودنے والا وہ شخص تھا جو حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔ (ج:۱،ص:۱۸۶)

حدیثِ مذکورہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر اونچی بنائی گئی تھی تبھی تو اسے چھلانگ لگا کر پار کرنے کا ذکر وارد ہوا جیسا کہ تیسیر القاری شرح بخاری میں بھی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر حضور ﷺ نے خود تیار کروائی تھی جیسا کہ ابوداؤد میں حدیث ہے۔ مطلب بن ابی وداعہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، ان کے جنازے کو لایا گیا، پھر ان کو دفن کیا گیا تو اس موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پتھر لیکر آئے، تو وہ پتھر نہ اُٹھا سکا، پس رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے گئے آستینیں چڑھائیں پھر اس پتھر کو اُٹھایا اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے سر کی طرف رکھا اور فرمایا کہ یہ اس لئے نصب کر رہا ہوں کہ اس ذریعے میں اپنے بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور میرے خاندان میں سے جو بھی شخص وفات پائے گا میں اس کو ان کے قریب دفن کروں گا۔ (ابوداؤد، ج:۲،ص:۱۵۱۔ مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت، دوسری فصل)

جب بخاری اور ابوداؤد کی روایات کو جمع کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر

انور بلند تھی اور ان کی قبر انور پر پتھر اس لئے لگایا گیا تا کہ یہ قبر دوسری قبروں میں خلط ملط نہ ہو جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ان سے محبت اور علوِ مرتبت کی بنا پر یہ چاہا کہ میرے اہل بھی آپ ہی کے ساتھ دفن ہوں۔

نیز آج کل قبروں پر کتبے بھی اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ قبر کی شناخت ہو سکے اور انسان اپنے عزیز و اقارب کی قبروں کو پہچان لے۔

قولِ فیصل:۔ اب ہم حضور ﷺ کی قبر انور کی ہیئت پر غور کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے اسے کس طرح بنایا تھا۔ بخاری شریف میں ہے۔

"عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهٗ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا۔"

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت پہلی فصل)

حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو دیکھا جو اُونٹ کے کوہان کی طرح اُٹھی ہوئی تھی۔

(بخاری۔ج:۱،ص:۱۸۶، کتاب الجنائز) (یعنی قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُونٹ کے کوہان کی طرح بلند تھی)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ،ج:۱،ص۷۳۷۔ میں اس حدیث کے تحت ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت سفیان تمار فرماتے ہیں کہ جب میں سرکار کے کمرے میں گیا تو میں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تینوں کی قبروں کو کوہان نُما پایا۔

اَب بھی اگر کوئی عدم تسلیم کی صفت سے بہرہ ور ہو اور نہ ماننے کی قسم اُٹھا رکھی ہو تو اپنا علاج کرائے۔ کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین کریمین کی قبروں کے بلند ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے بلند بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع تھا اور نہ صحابہ میں سے کوئی تو اِس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کہتا کہ حضور نے قبروں کو اُونچا بنانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین کریمین کی قبروں کو سطح زمین سے بلند کر کے نہ بناؤ۔

چونکہ یہ مسئلہ اس وقت مختلف فیہ نہ تھا اور صحابہ کرام جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانِ عالیہ "لَا تَدَعْ قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ" (مسلم کتاب الجنائز، مشکوٰۃ باب دفن المیت پہلی فصل) کسی بھی قبر کو بلند حالت میں نہ چھوڑو لیکن اسے برابر کر دو۔ مؤمنین کی قبروں کے بارے میں نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی قبروں کے متعلق ہے کہ اُن کی بعض قبریں ستون کی مانند ہوتی تھیں۔

یہ بات فقط کتابوں میں نہیں بلکہ آج بھی قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں ایک عیسائی جنرل کی سُتون نُما قبر موجود ہے۔ یعنی عیسائی اپنے بعض بڑوں اور وڈیروں کی قبروں کو اس طرح بناتے تھے۔

یہ بات یاد رہے کہ تمام عیسائیوں کی قبریں اس طرح نہیں ہوتیں۔

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ قبروں کے اُوپر عمارت نہ بناؤ اس سے مراد بھی گنبد وغیرہ نہیں ہیں، بلکہ یہی ستون نما قبریں ہیں کہ اس پر تعمیر کر کے ستون

بنادیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"قَالَ جَابِرٌ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ (رواہ مسلم کتاب الجنائز۔ بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الجنائز باب دفن المیت پہلی فصل ص:۱۴۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چُونا گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا "اوپر" کے معنی بیان کرنے کیلئے عربی زبان میں عموماً دو لفظ آتے ہیں۔ علیٰ اور فوق۔ یہ دونوں الفاظ اُوپر کے معنی ادا کرتے ہیں...... لیکن ان میں باریک فرق ہے وہ یہ کہ جو چیز اُوپر ہو اور متصل یعنی ملی ہوئی ہو اُس کے لئے "علیٰ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ "وَيَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (پ۱۹ سورہ الفرقان آیت نمبر۶۳) وہ (اللہ کے بندے) زمین کے اُوپر وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ نیز سورہ م طففین میں ارشاد فرمایا "عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ" (پ۳۰ سورہ المطففین آیت نمبر۲۳) اللہ کے مقرب بندے اونچے تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ مذکورہ بالا آیات میں "چلنا اور بیٹھنا" زمین اور تختوں کے ساتھ "متصل" ہے یعنی ان کے قدم اور ان کی نشست زمین اور تخت سے متصل ہے۔

عربی زبان میں "فوق" کا لفظ اصل وضع کے اعتبار سے اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اُوپر ہو لیکن متصل نہ ہو۔ جیسے قرآن پاک میں ہے۔ "وَرَفَعْنَا

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ" (پ ا سورہ البقرہ آیت نمبر۶۳) اور ہم نے تمہارے اُوپر طور کے پہاڑ کو بلند کیا۔ یعنی پہاڑ ان اسرائیلیوں سے متصل نہیں تھا بلکہ فاصلہ سے تھا۔

نیز جہاں "فوق" میں اتصال کے معنی ہیں تو وہاں اس سے پہلے "مِنْ" آیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے "وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا" (پ۲۴ سورہ حٰم السجدہ آیت نمبر۱۰) یعنی زمین میں اس کے اُوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا۔ یہاں کلام حقیقت اور اصل وضع کے اعتبار سے ہے نہ کہ مجاز میں۔ ہم اس بیان سے فقط اتنا واضح کرنا چاہتے ہیں، کہ علیٰ میں جو اُوپر کے معنی پائے جاتے ہیں، اس میں اتصال پایا جاتا ہے، اور حدیثِ مذکور "اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ" میں بھی "علیٰ" کا لفظ ہے تو مفہوم یہ ہوا کہ قبر کے اُوپر متصل عمارت مت بناؤ کہ قبر قبر نہ رہے بلکہ عمارت میں تبدیل ہوجائے۔ رہا گنبد وغیرہ کا معاملہ تو وہ "علی القبور" نہیں ہوتے بلکہ فوق القبور ہوتے ہیں۔ یعنی قبر سے متصل نہیں ہوتے بلکہ قبر کے اوپر فاصلے سے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ممانعت علی القبور کی ہے فوق القبور کی نہیں۔

رہا اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان جو بخاری میں اس طرح ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ وَلَوْلَا ذٰلِكَ اُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ خَشِيَ اَوْ خُشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا"۔ (بخاری

شریف کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر، ص:۱۸۶)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وصال میں ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو کہ اُنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ نیز حضرت اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ اگر یہی امر پیشِ نظر نہ ہوتا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کو بھی مسجد نہ بنالیا جائے تو آپ کی قبر انور کو کُھلا چھوڑ دیا جاتا۔ اس بارے میں سُنّی حضرات کا یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہم بھی گنبد اور حجرے میں اولیاء اللہ کی قبور اس لئے بناتے ہیں کہ کہیں انھیں بھی مسجد نہ بنالیا جائے۔ نیز اس بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین کا یہ فرمان کہ حضور کی قبر انور کو اس بنا پر حُجرے میں بنایا گیا کہ کہیں اسے مسجد نہ بنالیا جائے'' یہ اُن کا خیال مبارک اس بنا پر ہوگا کہ ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ...... وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی باب اُحُد یحبنا، ج:۲،ص:۹۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم بخدا! مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا قطعاً خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم دُنیا کی طرف راغب نہ ہو جاؤ۔

اس حدیث مبارکہ سے دو اُمور ثابت ہوئے۔ ا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کلمہ گو اُمّت میں شرک نہیں پایا جائے گا۔ ۲۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت مال و دولت میں مشغول ہو جائے گی۔

اِس حدیث کے جاننے کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کس طرح فرماسکتی تھیں کہ حضور کی قبر انور کو اس بنا پر حجرے میں بنایا کہ کہیں اسے مسجد نہ بنالیا جائے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث اُمّ المؤمنین تک نہیں پہنچی تھی۔ صحابہ کرام سے کئی حدیثیں ملیں گی جن کا علم بعض کو تھا اور بعض کو نہیں۔ مثلاً سیّدہ طیبہ طاہرہ زکیہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا معاملہ لے لیجئے کہ جب آپ پر رئیس المنافقین عبداللہ حضرت بن اُبی ملعون نے تہمت لگائی تو شہر میں یہ بات گشت کرنے لگی یہاں تک کہ پورا مہینہ گزر گیا، لیکن انہیں اس بات کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ امّ مسطح سے ایک ماہ کے بعد اس پروپیگنڈے کا علم ہوا۔ پھر ربّ العٰلمین نے آپ کی براءت میں سورۂ نُور کی گیارہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (بخاری شریف، ص:۶۹۶)

الحاصل: یہاں تو حضرت اُمّ المؤمنین کا اپنا معاملہ اُن سے پوشیدہ رہا، اگر کوئی اور حدیث ان تک نہ پہنچی ہو تو یہ بات ان کی شان میں تنقیص کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اِسی طرح حضرت ابُو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دادی کی وراثت کے بارے میں دُوسرے لوگوں سے دریافت فرمایا۔ یہاں تک

کہ انہیں ایک حدیث مل گئی۔ ملاحظہ ہو موطا امام مالک ۶۶۳، لہٰذا صحابہ کرام ایک دوسرے سے حدیثیں پوچھتے رہتے تھے۔

الغرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور مسجد بنائے جانے کے ڈر سے حجرے میں نہیں بنائی گئی بلکہ اس کے پسِ پُشت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جب سرکار کا وصال ہوا تو چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپ کی قبر انور کہاں بنائی جائے تو اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''ان عندی فی ھذا خبراً سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یدفن نَبِیٌّ اِلَّاحیث قبض''۔ (سیرت حلبیہ۔ ج:۲،ص:۴۸۷ ابو بکر الصدیق لمحمد رضا صفحہ ۳۸، موطا امام مالک کتاب الجنائز باب ماجاء فی دفن المیت: ص ۲۱۲ سنن ابن ماجہ: ۱۱۸، ترمذی: ۱/۱۲۱، مسند ابو یعلی: ۱/۵۳، مشکوٰۃ: ۵۴۷، مصنف ابن شیبہ ۱۴/۵۵۳) کہ میرے پاس ایک ایسی خبر ہے جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا کہ نبی کو وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو۔ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال مُبارک حضرت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوا اِسی بنا پر آپ کی قبر انور وہیں حُجرے مُبارک میں بنائی گئی۔

تفسیرِ حدیث بزبانِ حدیث

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسْجِدًا۔ (بخاری شریف کتاب الجنائز ج:۱ص:۱۷۷)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں ارشاد فرمایا۔ ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ اُنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا'' اِس حدیث پاک میں دو اُمور ہیں۔ نمبر 1۔ مسجد۔ نمبر 2۔ یہود و نصاریٰ کا قبور انبیاء کو مسجد بنانے کا طریقہ۔ ہر ایک کا بیان ترتیب وار ملاحظہ ہو۔

نمبر 1۔ ''مسجد'' کہا جاتا ہے سجدہ گاہ یعنی سجدہ کرنے کی جگہ کو، نیز جسے سجدہ کیا جائے اُسے مسجد نہیں کہا جاتا بلکہ مسجود کہا جاتا ہے۔

مثال:۔ جب انسان نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اُسے ساجد یعنی سجدہ کرنے والا کہا جاتا ہے۔ جس جگہ پر وہ سجدہ کرے اُسے مسجد (سجدہ کرنے کی جگہ) کہا جاتا ہے اور جسے سجدہ کیا جائے وہ مسجود کہلاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نمازی کا مسجود ہوتا ہے نہ کہ مسجد۔

حدیث مبارکہ میں قبور انبیاء کو مسجدیں بنانے کا ذکر آیا ہے مسجود بنانے کا نہیں۔ یعنی وہ یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کے اُوپر سجدہ کرتے تھے نہ یہ کہ وہ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے۔ اگر انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرنے کا ذکر ہوتا تو ''مساجد'' جو مسجد کی جمع ہے اس کی بجائے مسجود وغیرہ کے الفاظ ہوتے۔

نمبر 2۔ قبور انبیاء کو مسجدیں بنانا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہود و نصاریٰ قبروں کو مسجدیں کس طرح بناتے تھے، نیز یہ کہ آج کل بھی اس انداز سے قبروں کو کہیں مسجدیں بنایا جاتا ہے یا نہیں؟ اگر بنایا جاتا ہے تو اس قبیح اور بُرے فعل کا مرتکب کون سا گروہ ہے جو اُمّتِ مسلمہ کے درپۓ آزار ہے، اور اگر ایسا نہیں ہورہا ہے تو کون ہے جو اُمّتِ محمدیہ کو اس ناکردہ گناہ میں ملوث کرنے میں کوشاں ہے۔ اب اس بات کی وضاحت میں کہ یہود و نصاریٰ انبیا کی قبروں کو کس طرح مسجد بناتے تھے بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الْحَبْشَةِ يُقَالُ لَهٗ مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيْبَةَ أَتَتْ أَرْضَ الْحَبْشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوْرَةَ أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ (بخاری شریف کتاب الجنائز باب بناء المسجد علی القبر)

ترجمہ:۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض ازواج مطہرات نے مُلکِ حبشہ کے ایک گرجے کا تذکرہ کیا جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور ازواج مطہرات حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت اُمّ حبیبہ وہاں سے آئی تھیں، انہوں نے اس گرجے کو دیکھا تھا، اُنہوں نے اِس کی خوبصورتی اور اس میں لگی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا تو

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سرِ انور کو اُٹھاتے ہوئے اِرشاد فرمایا: یہ یہود و نصاریٰ ایسے ہیں کہ جب ان کا کوئی نیک صالح مَرد فوت ہوجاتا تو لوگ اس کی قبر کے اُوپر مسجد بنالیتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کی تصویریں بھی اس میں لگالیا کرتے ہیں، اور یہ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(بخاری شریف۔ ج:۱،ص:۱۷۹)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہود و نصاریٰ قبروں پر سجدہ کرتے تھے نہ یہ کہ ان قبروں کی طرف سجدہ کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے نبیوں کی قبروں کی طرف بھی سجدہ کرتے ہوں، یہ دونوں عمل ناجائز اور حرام ہیں لیکن ہم تو فقط اتنا واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ قبروں کو مسجد نہ بناؤ اس کا مفہوم یہی ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ یعنی سجدہ کرنے کی جگہ نہ بناؤ، یہ نہیں کہ ان قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے۔ ہاں قبریں ہوں یا اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو سجدہ کرنے کی ممانعت اس حدیث سے واضح ہے۔

لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا هٰذَا يَا مُعَاذُ؟ قَالَ أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ فَوَدِدْتُ فِيْ نَفْسِيْ أَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ بِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَا تَفْعَلُوْا فَإِنِّيْ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔ (ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق

الزوج علی المراۃ،ص:۱۳۴)

ترجمہ:۔ جب حضرت معاذ ملک شام سے آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کیا تو آپ نے اِرشاد فرمایا: اے معاذ! یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ جب میں شام پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے عُلماء وحُکّام کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے پایا تو میری بھی یہ خواہش ہوئی کہ سرکار ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایسا نہ کرو، اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ کو جائز رکھتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

حدیثِ مذکور سے یہ اُمُور ثابت ہوئے۔

نمبر 1۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ جائز نہیں۔

نمبر 2۔ عورت پر احکامِ الٰہی کے بعد اپنے شوہر کا حکم بجالانا ضروری ہے۔

نمبر 3۔ ملکِ شام کے لوگ اپنے علماء اور حکام کو سجدۂ تعظیمی کرتے تھے اُنہیں خدا نہیں جانتے تھے اور حضرت معاذ کا سجدہ بھی انہیں کی موافقت میں تھا یعنی اُنہوں نے حضور کو سجدۂ تعظیمی کیا نہ کہ سجدۂ عبادت، اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سجدہ کے بعد حضرت معاذ کو دوبارہ کلمہ پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا، ہاں اس فعل سے منع ضرور فرمایا۔ پس ثابت ہوا کہ سرکار کے اس فرمان کے بعد سجدۂ تعظیمی ممنوع ہے اور ایسا کرنے والا ہدایت پر نہیں لیکن سجدۂ تعظیمی کرنے والے کو مشرک بھی نہیں کہا جائے گا، گمراہ ضرور کہا جائے گا اس لئے کہ

سرکار کے منع فرمانے کے بعد اس کی مخالفت جائز نہیں۔ رہا حضرت معاذ کا معاملہ تو اس وقت تک اس سجدۂ تعظیمی کی ممانعت کا حکم صادر نہیں ہوا تھا ورنہ حضرت معاذ بھی ایسا نہ کرتے، نیز سجدۂ تعظیمی شرک نہیں ہے۔ لیکن آج کل کے جاہلوں کے لئے شرک کو دعوت دینے والا ضرور، کیونکہ اگر صراحتًا شرک ہوتا تو حضرت معاذ ایسا قطعاً نہ کرتے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں شرک کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر راہِ ہدایت پر ڈال دیا، چہ جائیکہ ہم دوبارہ شرک کی راہ اختیار کریں، نیز اس بارے میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہل شام کا سجدہ اپنے علماء وغیرہ کو وہ سجدہ نہیں تھا جو مشرکین اپنے بتوں کو کرتے تھے۔ اگر یہ سجدہ شرک ہوتا تو حضرت معاذ اہلِ شام کا حوالہ نہ دیتے بلکہ اُنہیں مشرکوں کے حوالے سے بات کرتے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک سجدہ وہ تھا کہ اہلِ شام اپنے علماء اور حکام کو تعظیماً کرتے تھے اُسے سجدۂ تعظیمی کہا جاتا ہے اور دوسرا سجدہ وہ ہے جو مشرک اپنے باطل خداؤں کو کیا کرتے تھے اُسے سجدۂ شرک اور سجدۂ عبادت کہا جاتا ہے۔

سجدۂ تعظیمی کے شرک نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر وہ عمل جو شرک ہو اللہ تعالیٰ نے اسے کبھی جائز نہیں رکھا۔ نیز تمام انبیاء کے ذمے شرک کو مٹانے اور اس کے سدِّ باب کرنے کا حکم دیا۔ جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا گیا۔ جیسا کہ فرشتوں سے ارشاد ربانی ہوا۔ "اُسْجُدُوْا

لِاٰدَمَ‘‘۔(پ ا،سورۃ البقرہ۔آیت:۳۴)

آدم کو سجدہ کرو۔اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آیا ۔وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا۔(پ ۱۳،سورۃ یوسف۔ آیت:۱۰۰)اور اُونچا بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور سب یوسف کے لئے سجدے میں گر گئے۔آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتوں اور انسانوں نے غیر اللہ کو تعظیماً سجدہ کیا اور اس سجدے کے کرنے پر وعید اور ناراضگی کا اظہار بھی نہیں ہوا۔ جب کہ شرک کرنے والے کے لئے صاف ارشاد ہے۔اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔(پ ۵ سورۃ النساء۔ آیت:۱۱۶)بیشک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، حالانکہ اس سے کم گناہ کو بخش دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ یہ سجدۂ تعظیمی شرک نہیں ورنہ اس کی زد میں تمام فرشتے اور یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے بھی آئیں گے۔نیز یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اللہ اور اُس کے نبی نے سجدہ تعظیمی کروا کر شرک کی دعوت دی اور خود ہی اس شرک کی مخالفت کی۔

اِس بارے میں یہی کہا جائے گا کہ سجدۂ تعظیمی شرک نہیں ہے۔یہ الگ بات ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی شریعتِ محمدی میں ناجائز ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز ایک شریعت میں جائز ہو اور دوسری میں ناجائز، بلکہ یہاں تک ہوا کہ ایک چیز

ایک شریعت میں اولاً جائز تھی پھر بعد میں وہی چیز ناجائز قرار دے دی گئی۔مثلاً شراب بقول نصاریٰ کہ دینِ عیسوی میں اس کا پینا جائز تھا اور دینِ محمدی میں بھی اولاً یہ عمل جائز رکھا گیا اور بعض صحابہ کرام نے اسے پیا بھی۔مگر آیت ’’اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ‘‘

(پ ۷،سورۃ مائدہ۔آیت:۹۰)

’’شراب، جُوا، بُت اور جُوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں‘‘۔کے نزول کے بعد شراب حرام ہوگئی۔

مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ایک چیز ایک وقت میں جائز ہو لیکن دوسرے وقت میں اس کی حرمت آجائے، یہ ممکن ہے مگر شرک ایسا امر ہے کہ ہمیشہ اس کو مٹانے اور ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کسی وقت اور کسی شریعت میں اسے جائز نہیں رکھا گیا۔اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سجدۂ تعظیمی شریعتِ محمدیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منع فرمانے کی بنا پر حرام ہے مگر شرک نہیں کیونکہ اس کا ثبوت پایا گیا۔

مزارات پر پھولوں کا چڑھانا

اَب ہم اس بارے میں غور کرتے ہیں کہ قبروں پر پھولوں وغیرہ کے چڑھانے سے میت کو فائدہ ہوتا ہے یا نقصان، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان امور میں سے کسی پر اثبات یا نفی ظاہر ہو جائے تو ہم پر ایک امتی ہونے کی

حیثیت سے یہ بات لازم ہو جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل پیرا ہوں نہ کہ اپنے اجتہاد اور اپنی رائے کو ان اُمورِ دینیہ میں استعمال کریں جن میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث خود ناطق ہو! اس سلسلے میں بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو۔ "عَنِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بِقَبْرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَقَالَ اَنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَایَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَۃً فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا

(بخاری شریف، کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر: جلد: اوّل، ص: ۱۸۱)

☆ یہ حدیث بخاری شریف کتاب الجنائز باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول میں بھی ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی دو قبروں کے پاس سے گذرے جن کو عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ایک پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا اور دوسرا چغلیاں لگاتا تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تر کھجور کی لکڑی

لی، اُسکو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور ان کو ہر ایک قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: آپ نے یہ عمل کیوں فرمایا؟ تو سرکار نے جواباً فرمایا: تاکہ ان قبروں والوں کے عذاب میں تخفیف کی جائے جب تک یہ خشک نہ ہوں۔

اُن قبر والوں کو عذاب دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور عذاب میں تخفیف کا باعث کھجور کی لکڑی۔ جب ایک لکڑی کا یہ فائدہ ہو سکتا ہے تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کسی غلام کی بارگاہِ ایزدی میں سفارش کر کے اُسے عذابِ قبر سے نجات نہیں دلا سکتے ہیں؟ کیا نبی کی وقعت ایک کھجور کی لکڑی کے برابر بھی تسلیم نہیں کرتے ہو۔ مقامِ افسوس ہے۔

حدیثِ مذکورہ سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ تر شاخ میت کو فائدہ دیتی ہے، یعنی اگر گنہگار ہوگا تو اُس کے عذاب میں تخفیف کا باعث بنے گی۔ اگر نیکوکار ہوگا تو علوِ مرتبت کا باعث۔ اس حدیث کو اصل بناتے ہوئے مزارات پر پھول وغیرہ چڑھائے جاتے ہیں کہ جس طرح ایک تر و تازہ کھجور کی شاخ قبر والے کو فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح پھول جو تر و تازہ ہوں صاحبِ مزار کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ نیز پھول وغیرہ چڑھانے میں صاحبِ مزار سے اظہارِ محبت بھی ہوتا ہے۔

اس حدیث پر بعض لوگوں نے اعتراض وارد کرتے ہوئے کہا کہ قبر پر کھجور کی شاخ لگانا یہ فقط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ تھا اور سرکار کے لگانے کی وجہ سے صاحبِ قبر کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ کیونکہ اس قسم کا عمل کسی صحابی اور

متقدمین سے ثابت نہیں، بنابریں ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم بھی اسی طرح خواہ مخواہ قبروں پر کھجور کی شاخیں یا پھول وغیرہ چڑھائیں۔ اس بارے میں سرِ دست صحیح بخاری کی عبارت ملاحظہ ہو"۔ اَوْصیٰ بُرَیْدَۃُ الْاَسْلَمِیُّ اَنْ یَّجْعَلَ فِیْ قَبْرِہٖ جَرِیْدَانِ"۔ (بخاری شریف کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر، ج، اوّل، ص:۱۸۱)

ترجمہ:۔ حضرت بُریدہ اسلمی صحابیِ رسول (ﷺ) نے وصیّت کی کہ اُن کی قبر میں بھی کھجور کی دوشاخیں لگائی جائیں۔

واضح رہے کہ حضرت بریدہ اسلمی کا وصال ۶۳ھ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ۵۳ سال بعد اور یزید بن معاویہ کے دور میں ہوا (الاصابۃ)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قبروں پر کھجور وغیرہ کی شاخیں لگانا صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ نہیں تھا بلکہ اُمّت مسلمہ کے لئے تا قیامت یہ عمل جائز رکھا گیا ہے۔

قبر میں جانے کے بعد انبیاء کرام کے اجسام کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں پانچ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ حدیث شریف: بخاری ومسلم میں اس طرح ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ ولا یتمثل الشیطان بی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا جس نے سوتے میں میری زیارت کی تو عنقریب جاگتے میں بھی میری زیارت سے مشرف ہوگا، شیطان کوشش کے باوجود بھی میرے شکل اختیار نہیں کرسکتا ہے۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۱۰۳۵) (مسلم شریف، ج:۲، ص:۲۴۲)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں اتنی واضح ہے کہ اس کا انکار صرف وہی شخص کرے گا، جس کے دل پر مُہر لگ چکی ہوگی۔ اس حدیث شریف سے چھ باتیں ثابت ہوئیں۔

1۔ شیطان عالمِ خواب اور بیداری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل اختیار نہیں کرسکتا ہے۔

2۔ سوتے اور جاگتے میں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی وہ حضور ہی کی زیارت سے مُشرف ہوا، کسی خبیث جن یا شیطان کو اُس نے نہیں دیکھا۔

3۔ یہ فرمانِ عالی تمام اُمّتِ مسلمہ کے لئے نوید اور بشارت ہے۔ چاہے وہ صحابہ کرام ہوں یا پندرہ سو سال بعد آنے والا اُمّتی، کیونکہ سرکار نے یہ نہیں فرمایا کہ اے میرے صحابہ یہ فرمان صرف تمہارے لئے ہے، تمہارے بعد والے اُمتیوں کے لئے نہیں۔

4۔ جس نے سرکار کی خواب میں زیارت کی تو سرکار کو اِس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ وہ میری زیارت کر رہا ہے اسی لئے تو جاگتے میں بھی اُس کو اپنی زیارت

سے مشرف فرماتے ہیں۔

5۔ یہ حدیث حیات النبی کی بہت بہترین دلیل ہے کہ قبر انور میں جانے کے بعد بھی جہاں چاہنا اور جس کو چاہنا زیارت کروا دینا، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ممکن ہی نہیں بلکہ ثابت بھی ہے جیسا کہ بے شمار بزرگانِ دین کے واقعات مشہور اور برزبانِ خلقِ خدا ہیں۔

6۔ یہ نہیں فرمایا کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی تو جاگتے میں فقط ایک مرتبہ ہی میری زیارت سے مشرف ہوگا، بلکہ مفہومِ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس نے خواب میں ایک مرتبہ زیارت کرلی تو جاگتے میں اسے ضرور زیارت نصیب ہوگی، اب یہ سرکار کے کرم پر منحصر ہے کہ جاگتے میں کتنی مرتبہ زیارت کرواتے ہیں۔

حدیث نمبر۲: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اور میں اُسے سُنتا ہوں اور اُس کا جواب بھی دیتا ہوں تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ سرکار کیا بعد الوصال بھی؟۔ (آپ ہمارے درود وسلام کو ملاحظہ فرمائیں گے؟) تو سرکار نے ارشاد فرمایا

''اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اِنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ صَلَوَات اللّٰہ عَلَیْہِمْ''

بیشک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو

کھائے۔ (ابو داؤد ص ۱۵۰، ج:۱) مسند امام احمد ص:۸۰ ج:۴، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ) قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ رُوح بھی سُنتی ہے اور برزخی حیات کا تعلق بھی درحقیقت رُوح کے ساتھ ہوتا ہے، اگرچہ جسم گل سڑ بھی کیوں نہ جائے لیکن رُوح باقی رہتی ہے، اس لئے صحابہ کرام کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فقط اتنا بھی فرما سکتے تھے کہ ہاں میں تمہارے صلوٰۃ وسلام کو سنوں گا، یعنی میری رُوح سُنے گی، مگر اُن کے جواب میں یہ فرمانا کہ اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے، کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبر انور میں جانے کے بعد انبیاء کرام کی حیات فقط برزخی نہیں بلکہ دُنیاوی وجسمانی بھی ہے اور وہ اپنے کانوں سے سُنتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام تک صحیح وسالم رہنے پر احادیثِ صریحہ دال ہیں جن کا سرِ مُو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رہا صحابہ کرام اور اولیاء کرام کا معاملہ تو اُن کے اجسام میں سے جس کو اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہے وہ اس پر قادر ہے جیسا کہ کتاب الجنائز بخاری جلد اوّل میں ہے۔

حدیث نمبر3:۔ ''عَنْ عُرْوَۃَ بن زبیر لَمَّا سَقَطَ عَلَیْھِمُ الْحَائِطُ فِیْ زَمَانِ الْوَلِیْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِکِ اَخَذُوْا فِیْ بِنَائِہٖ فَبَدَتْ لَھُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّھَا قَدَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا وَجَدُوْا اَحَدً یَعْلَمُ ذَالِکَ حَتّٰی قَالَ لَھُمْ عُرْوَۃُ لَا وَاللّٰہِ مَاھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاھِیَ اِلَّاقَدَمُ عُمَرٍ" (بخاری شریف کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر، ص:۱۸۶)

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حُجرے کی دیوار گرگئی تو وہ حضرات اس کو بنانے لگے۔ اُنہیں ایک قدم نظر آیا (پنڈلی اور گھٹنے تک) تو وہ گھبرا گئے اور اُنہوں نے گمان کیا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قدمِ انور ہے تو اس وقت اُنہیں کوئی بھی ایسا شخص نہ ملا جو اس حقیقتِ حال سے آگاہ کرسکتا، یہاں تک کہ حضرت عروہ بن زبیر جو حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے، اُنہوں نے فرمایا کہ قسم بخدا یہ نبی پاک ﷺ کا قدم پاک نہیں ہے بلکہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مُبارک ہے۔

حدیثِ مذکور سے یہ چند باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور حُجرے میں تھی۔ ۲۔ان حضرات کا یہ کہنا کہ نبی پاک ﷺ کا قدم انور ہے۔ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سرکار کی جسمانی حیات کے قائل تھے ورنہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ دیکھو یہاں یہ کوئی ہے جو دیوار کے نیچے دب گیا ہے۔ ۳۔ یہ واقعہ ولید بن عبدالملک کے زمانے کا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھہتر سال بعد اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے تریسٹھ سال بعد خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اتنے برس گزر جانے کے

بعد بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم مُبارک میں ذرا سا بھی تغیر وتبدّل نہ ہوا اور حضرت عروہ بن زبیر فوراً پکار اُٹھے کہ یہ حضرت عُمر کا قدم انور ہے، حضور کا نہیں۔ ۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے، یہاں تو سرکار کے خلیفۂ دوم کا جسم تک صحیح سالم ہے چہ جائیکہ سرکار کے جسم انور کے متعلق بیہودہ اور لغوبات کی جائے۔

اب ہم آپ کے سامنے مؤطا امام مالک کی ایک حدیث لاتے ہیں۔ مؤطا امام مالک کے متعلق امام شافعی کا یہ قول آپ کے سامنے رہے۔ "ماتحت ادیم السماء اصح" موطا امام مالک آسمان کے نیچے صحیح ترین کتاب ہے۔

حدیث پاک ملاحظہ ہو۔!

حدیث نمبر 4:۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ صَعْصَعَۃَ اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ عَمْرَوبْنَ الْجَمُوْعِ وَعَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَمْرٍ وَالْاَنْصَارِیَّیْنِ ثُمَّ السَّلِمِیَّیْنِ کَانَاقَدْ حَفَرَالسَّیْلُ قَبْرَھُمَا وَکَانَ قَبْرُھُمَا مِمَّایَلِی السَّیْلَ وَکَانَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَھُمَا مِمَّنِ اسْتُشْھِدَ یَوْمَ اُحُدٍ فَحُفِرَ عَنْھُمَا لِیُغَیَّرَا مِنْ مَکَانِھِمَا فَوُجِدَ الَمْ یَتَغَیَّرَا کَاَنَّھُمَا مَاتَا بِالْاَمْسِ وَکَانَ اَحَدُھُمَا قَدْ جُرِحَ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی جُرْحِہٖ فَدُفِنَ وَھُوَ کَذٰلِکَ فَاُمِیْطَتْ یَدُہٗ عَنْ جُرْحِہٖ ثُمَّ اُرْسِلَتْ فَرَجَعَتْ کَمَا کَانَتْ وَکَانَ بَیْنَ اُحُدٍ وَبَیْنَ یَوْمَ حُفِرَ عَنْھُمَا سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ سَنَۃً

(موطا امام مالک کتاب الجہاد باب دفن فی قبر واحد من ضرورۃ ص ۴۸۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ فرماتے ہیں کہ اُنہیں یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سلم کے انصاری صحابہ میں سے حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو کی قبر کے بعض حصہ کو سیلاب بہالے گیا اور یہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے۔ یہ دونوں حضرات جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر کو کھودا گیا تا کہ ان کی قبر کسی دوسری جگہ بنائی جائے تو ان کو اس حالت میں پایا گیا کہ گویا کل ہی ان کا وصال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک زخمی تھے اُنہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا اور اسی حالت میں دفن کردیئے گئے تھے۔ پھر ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا، اسے پھر چھوڑا گیا تو وہ وہیں لوٹ آیا جہاں پہلے تھا۔ جنگ اُحد اور ان کی قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ (موطا امام مالک، ص:۴۸۲)

حدیث مذکور سے یہ اُمور ثابت ہوئے۔

ا۔ یہ واقعہ غزوۂ احد کے چھیالیس سال اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے اڑتیس سال بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت بھی لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ ان اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجساد صحیح سالم ہوں گے تبھی تو ان کے جسموں کو کسی اور جگہ رکھنے کے لئے ان کی قبر کو کھودا۔

۲۔ شہداء اُحد کی قبریں اتنی واضح کرکے بنائی گئی تھیں کہ چھیالیس سال بعد بھی ان کی قبروں کے نشان نمایاں تھے کہ اُنہیں پہچان لیا گیا۔

۳۔ صحابی کے ہاتھ کو ہٹائے جانے کے باوجود اس کا واپس اسی جگہ آجانا ان

کی جسمانی حیات کی واضح دلیل ہے۔

۴۔ ان کا جسم عام لوگوں کے جسم کی طرح نہ اکڑا اور نہ گلا۔

اِنسان کا قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرنا

حدیث نمبر 5۔ ترمذی شریف ''ابواب فضائلِ قرآن'' میں ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ اَنَّهُ قَبْرٌ فَاِذَا قَبْرُ اِنْسَانٍ يَقْرَاءُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِيْ عَلٰى قَبْرٍ وَاَنَا لَا اَحْسِبُ اَنَّهُ قَبْرٌ فَاِذَا فِيْهِ اِنْسَانٌ يَقْرَاءُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰى خَتَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (ترمذی شریف ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی سورہ الملک: ج:۲، ص ۱۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کسی صحابی نے ایک قبر کے اُوپر خیمہ لگایا۔ انہیں گمان نہ تھا کہ یہ قبر ہے، پس وہ ایک انسان کی قبر تھی تو اس انسان نے مکمل سورۂ ملک کی تلاوت کی، پھر وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں نے ایک قبر پر خیمہ لگایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، پس سرکار! اس میں تو انسان تھا جس نے مکمل سورۂ مُلک کی تلاوت کی، پس نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سورۂ ملک عذابِ

قبر کو روکنے اور نجات دلانے والی ہے۔

حدیثِ مذکور سے یہ اُمور ثابت ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ قبر میں جانے کے بعد تلاوتِ قرآن مجید ممکن ہے۔ تبھی تو انہیں یہ گمان نہ گزرا کہ کوئی جن یا فرشتہ تلاوت کر رہا ہوگا، بلکہ اُنہوں نے انسان ہی کا ذکر کیا۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ قبر میں جانے کے بعد تلاوتِ قرآن مجید کیونکر ممکن ہے؟ بلکہ اس صحابی کا قول کہ ''قبر میں انسان تھا'' برقرار رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سورۂ ملک عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے۔

۳۔ عذاب دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور عذابِ قبر سے نجات دلانے والی سورۃِ قرآن مجید ہے۔ تو یہ کہنا کیونکر ناجائز ہوگا کہ اللہ کسی کو عذاب میں مبتلا فرمائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بارگاہِ ایزدی میں سفارش فرما کر اسے عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اپنی قبروں میں جانے کے بعد صرف برزخی اور روحانی حیات سے ہی موصوف نہیں ہوتے بلکہ جسمانی حیات بھی ان میں پائی جاتی ہے کیونکہ سُننا، بولنا، پڑھنا اور حرکت کرنا جسمانی حیات کے لوازمات میں سے ہیں، پس اللہ کے بیشمار برگزیدہ بندے اِس صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (پ۲۰ سورہ النمل آیت نمبر ۸۰)

اس آیت کریمہ سے متعلق بعض لوگوں نے ایسا کلام کیا جس کی حقیقت حباب اور سراب سے زیادہ بے وقعت ہے مثلاً آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا۔ ''بیشک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے، لیکن کسی صاحبِ شعور سے یہ بات مخفی نہیں کہ ''لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' ''آپ مردوں کو نہیں سُنا سکتے''۔ میں ''سکتے'' کسی بھی لفظ کا ترجمہ نہیں کیونکہ ''تُسْمِعُ'' جس کا مصدر ''اسماع'' ہے اس کا معنیٰ ''سنا سکنا'' نہیں بلکہ ''سنانا'' ہے۔ پس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں ہوا، یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سناتے'' اور اس ترجمہ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں۔

مزید براں یہ کہ آیت کافروں کے لیے نازل ہوئی لیکن اسے مؤمنین پر چسپاں کرنے کی بھیانک سازش کی گئی۔ آپ خود سورۃ نمل کی آیت نمبر ۸۰، ۸۱ کو ملا کر پڑھیں تو بات واضح ہو جائے گی کہ نہ سنانا کافروں کے لئے ہے اور مؤمنین کے لئے سنانا ثابت ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ ...... اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ نمل، آیت: ۸۰، ۸۱)

ترجمہ: بے شک آپ نہیں سناتے مُردوں کو اور نہیں سناتے بہروں کو پکار جب وہ پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں، اور نہ آپ راہ پر لانے والے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے، آپ نہیں سنا[illegible]۔ ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، تو وہی مسلمان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آیات زندہ لوگوں سے متعلق ہیں یا مردہ سے۔ اگر کہا جائے کہ ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اِس دارِ فانی سے رحلت کر کے عالمِ برزخ میں پہنچ گئے، تب یہ آیات انبیائے کرام اور اولیائے عُظّام کے لئے بعد المَمات سننے کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں، وہ اس طرح کہ ان آیات میں دو قسم کے لوگوں کا بیان ہوا، ایک وہ جنہیں سنانا ثابت نہیں اور وہ کافر ہیں، دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے لئے سنانا ثابت ہے اور وہ مسلمان ہیں۔

پس اہلِ حق کا بھی یہی کہنا ہے کہ انبیاء واولیاء کی قبور پر حاضر ہو کر اُن سے گزارشات کرنا بالکل جائز ہے کیوں کہ قرآن مجید میں مؤمنین کے لئے سنانا ثابت ہے۔ اس لیے وہ ہماری پکار ملاحظہ فرماتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان آیات میں ان لوگوں کا بیان نہیں جو حقیقتاً اس دُنیا سے کُوچ کر گئے بلکہ کافروں کو مُردہ، بہرے اور اندھوں سے تعبیر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ یہ لوگ احکام الٰہی اور فرامینِ رسول کبریا سے نافرمانی اور رُوگردانی میں مُردوں، اندھوں اور بہروں کی مانند ہو چکے ہیں کہ انہیں حق کی پکار کسی طرح بھی نافع نہیں تو ہمارا کلام ان آیات سے متعلق نہیں کیونکہ ہمارا کلام تو اس بارے میں ہے کہ انبیاء واولیاء قبروں میں جانے کے بعد بھی سنتے ہیں حالانکہ یہ آیات زندہ لوگوں سے متعلق ہیں، پس دونوں صورتیں ہمارے مُدعا کے خلاف نہیں، یعنی اگر آیات زندہ کے بارے میں ہوں تو ہمارا کلام اس میں نہیں، اگر مردہ سے

متعلق ہوں تو مسلمانوں کے لیے سنانا ثابت ہے۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ

(پ۲۲ سورہ فاطر آیت نمبر ۲۲،۲۳)

ترجمہ: آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، آپ تو فقط ڈرانے والے ہیں۔ ان آیات کا غلط مفہوم بیان کر کے اُمّتِ مسلمہ کو دھوکے میں ڈال گیا۔ کوئی بھی صاحبِ عقل وخرد اس بات سے بیگانہ نہیں کہ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ فرمان ہے "آپ تو ڈرانے والے ہیں" اس کا تعلق مردوں سے نہیں ہوگا کیونکہ ڈرانے کا تعلق انہیں لوگوں سے ہے جو اس دنیا میں موجود ہیں، اور جو اس دنیا سے چلے گئے اُنہیں جہنم سے ڈرانا بے فائدہ اور بے معنی ہے۔ پس آپ ان آیات کو پڑھ کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہاں پر بھی زندہ کافروں کو ہی مُردہ اور اہلِ قبور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔ (پ۲۲ سورۃ فاطر: آیت: ۲۲،۲۳)

ترجمہ: زندہ اور مُردے برابر نہیں۔ بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، آپ تو فقط ڈرانے والے ہیں۔

آیاتِ مذکورہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جن لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہوا یہ وہی لوگ ہیں جن سے سنانے کی نفی ہوئی، اور ڈرایا زندہ کو جاتا ہے نہ کہ

مردہ کو، تو نتیجہ یہ نکلا کہ سنانے کی نفی بھی زندہ ہی سے ہوئی نہ کہ مردہ سے۔ جب یہ آیات زندہ لوگوں سے متعلق ہوئیں تو یہ ہمارے مؤقف کے خلاف نہیں کیونکہ ہم ان لوگوں سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جو اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے، حالانکہ یہ آیات زندہ لوگوں سے متعلق ہیں۔ الحاصل یہ دونوں آیات ہمارے مدعٰی کے خلاف نہیں۔

رہا یہ اعتراض کہ زندہ سے سنانے کی نفی کس طرح؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہاں پر سنانے سے مراد یہ نہیں کہ وہ فقط کانوں سے سُن لیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے دل بھی اس حق کی پکار کو قبول کریں، چونکہ جن لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہو ان حضرات میں حق بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (پ۹ الاعراف: آیت، ۱۷۹)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے، ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ، وہی غفلت میں مبتلا ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نہ سمجھنا، نہ دیکھنا، نہ سُننا اور چوپایوں کی طرح ہو جانا بلکہ ان سے بھی زیادہ گیا گزرا ہونا یہ تمام اُمور ان کافروں کے لئے اللہ نے ثابت فرمائے جو چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، بولتے اور سنتے تھے، چونکہ وہ اللہ کی نافرمانی میں بہت آگے بڑھ چکے تھے کہ اُنہوں نے خود اپنے اُوپر غفلت اور گمراہی کے اتنے پردے چڑھا لئے تھے کہ ان کا واپس آنا ممکن نہ رہا تھا، اس لیے یہ تمام اُمور ان کے لئے ثابت ہوگئے۔

پس اہلِ حق بھی یہی کہتے ہیں کہ ان خرابیوں کی بنا پر ان کافروں کو "الموتی" اور مَن فی القبور سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے، نیز مردوں کے سننے کی نفی کس طرح کی جا سکتی ہے۔

جب کہ بے شمار احادیث سے یہ بات ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

"عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ" (بخاری شریف کتاب الجنائز باب المیت یسمع خفق النعال: ج:۱، ص:۱۷۸)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اُسے چھوڑ کر اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں تو میت ان لوگوں کے قدموں کی چاپ کی آواز سنتی ہے۔"

جمہور علماء نے اس حدیث کے متعلق یہی قول کیا کہ وہ میت لوٹ کے

جانے والوں کی چاپ کی آواز سُنتی ہے۔

یہاں فرشتوں کے جُوتوں کی آواز مُراد نہیں کیونکہ فرشتوں کے لئے قرآن و حدیث میں جوتوں کا ثبوت نہیں۔ جب جوتے پہننا ہی ثابت نہیں تو اس کی آواز سننا کیوں کر ممکن ہوگی۔

چونکہ مسلم شریف میں صاف ارشاد ہے کہ یہ انہیں لوگوں کے جُوتوں کی آواز ہے جو دفنانے آئے تھے۔ یعنی فرشتوں کے قدموں کی آواز نہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انه یسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا (مسلم، ج:۲، ص:۳۸۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت کو جب قبر میں دفنایا جاتا ہے تو میت ان کے قدموں کی چاپ کی آواز سُنتی ہے جب وہ لوگ واپس جاتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی بے محل نہ ہوگی کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کی طرف اس باب میں چند باتیں منسوب کردی گئی ہیں اور حوالے کے طور پر بعض معاصرین کی کُتب کا سہارا لیا گیا ہے، حالانکہ ان کی کوئی وقعت نہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔

اگر آپ مزید غور فرمائیں تو بخوبی آگاہ ہو جائیں گے کہ یہ آیات ان کافروں کے بارے میں ہیں جن کے دلوں پر مُہر ثبت ہو چکی تھی کہ وہ لوگ مُردہ

اور اہلِ قبور کی مانند ہیں، مگر کیا کیا جائے کہ کافروں کی مذمت کرنے والی آیات انبیاء پر چسپاں کی جارہی ہیں، پس اس مقام پر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول یاد آتا ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (بخاری شریف کتاب استتابۃ والمرتدین، باب قتل الخوارج والملحدین، ج:۲، ص:۱۰۲۴)

حضرت عبداللہ بن عمر خارجیوں کو ساری مخلوق سے زیادہ بدترین مخلوق جانتے تھے، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو آیات کافروں کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگ اُنہیں مؤمنین پر چسپاں کررہے ہیں۔

اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے وقت دو انداز سے دُعائیں کی جاتی ہیں

نمبر 1۔ صاحبِ قبر کو اللہ تعالیٰ عزّوجل کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہوئے عرض کرنا، اے پروردگار! تو اپنے اس نیک اور پارسا بندے کے وسیلے سے ہماری اس دُعا کو قبول ومنظور فرما۔

مذکورہ بالا عبارت میں دو امر قابلِ توجہ ہیں۔

نمبر 1۔ اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا۔

نمبر 2۔ وصال کے بعد وسیلہ پیش کرنا۔

ہر ایک کا بیان ترتیب وار ملاحظہ ہو۔

وسیلہ پیش کرنا۔

اللہ رب العلمین کی بارگاہِ اقدس میں وسیلہ پیش کرنے کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ اللہ کی طرف وسیلہ طلب کرو۔" اس آیت کریمہ کے بعد بھی اگر کوئی وسیلے کا منکر ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ دوبارہ کلمہ پڑھے کیونکہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے، اس کے ایک بھی حرف کا اِنکار موجب ہلاکت وکفر ہے۔

یہ کہنا کہ وسیلہ تو فقط نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ اِنسان وغیرہ نہیں تو قطعاً غلط ہے کیونکہ بخاری شریف میں ہے۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا قَحَطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(بخاری شریف ابواب الاستقاء باب سوال الناس الامام الاستقاء اذا قحطوا، ج، اوّل، ص: ۱۳۷)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے بارانِ رحمت کی دُعا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ! ہم ہمیشہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے تو تُو ہمیں سیراب فرماتا تھا۔ آج

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں، پس تو ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ اِس دُعا کے فوراً بعد ان پر بارش برسائی جاتی تھی۔

اس حدیث سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔

نمبر 1۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ بنایا گیا۔

نمبر 2۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی وسیلہ بنایا جاتا تھا (تبھی تو حضرت عمر نے دُعا اِس طرح کی، اے اللہ! ہم ہمیشہ اپنے نبی کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے اور آج اپنے نبی کے چچا حضرت عباس کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں"۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عباس نے اپنے وسیلہ بنائے جانے کو منع نہیں فرمایا۔

نمبر 4۔ برگزیدہ حضرات کے وسیلہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے (تبھی تو صحابیِ رسول حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ اس دُعا کے فوراً بعد ان پر بارش برسائی گئی۔ کیونکہ فَيُسْقَوْنَ میں فاء تعقیب کے لئے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد سیّدنا عباس کا وسیلہ پیش کرنا دراصل اس بات کی توضیح تھی کہ غیر نبی کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے اور حضور کی نسبت کے احترام کا اظہار بھی۔

اس سے یہ مفہوم نہ لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس

رضی اللہ عنہ کو وسیلہ اس لئے بنایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو چکا تھا اور وصال کے بعد وسیلہ بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ طبرانی فی الکبیر میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعد از وصال بھی وسیلہ بنایا گیا۔ ملاحظہ ہو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص اُن سے کسی حاجت کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا مگر سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ مصروفیاتِ اُمورِ خلافت کی بنا پر اُس کی طرف توجہ نہ فرما سکے تو اس شخص کو ابنِ حُنَیف نے کہا تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے کی وہ دعا کیوں نہیں پڑھتے ہو جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نابینا کو ارشاد فرمائی تھی، تو اس دُعا کے پڑھتے ہی اُس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئی تھیں۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اِس طرح کہو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّي اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى ربك وَتُقْضٰى حَاجَتِي۔ ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی سراپائے رحمت حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ بیشک میں آپ کے وسیلے سے آپ کے ربّ کی طرف متوجہ ہوں، پس میری حاجت روائی اور مشکل کشائی کی جائے۔"
(حاشیہ ابن ماجہ، ص: ۱۰۰)

نمبر 1۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کا خود حکم فرمایا۔

نمبر 2۔ سرکار کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کی گئی۔

نمبر 3۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ کو مخاطب کر کے دُعا کی گئی اور عرض کیا گیا۔

"یا محمد" یعنی وصال کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سُننے اور دیکھنے والے ہیں۔

نمبر 4۔ وسیلے سے دُعا کرنے کا عقیدہ تمام صحابہ کرام کا تھا۔ (تبھی تو اس دُعا کے پڑھنے کا مشورہ صحابیِ رسول ابنِ حُنَیف نے دیا۔

اِس حدیث کی سند میں ایک راوی "ابو جعفر" ہے جس کے بارے میں کلام کرتے ہوئے لوگوں نے یہاں تک ثابت کر دیا کہ یہ بہت ضعیف اور "وَضَّاع" یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑ کے پیش کرنیوالا ہے۔ سند کے اِس مقام میں ابو جعفر تین ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ ابو جعفر رازی ۲۔ ابو جعفر مدائنی ۳۔ ابو جعفر خطمی۔ پہلے دو ابو جعفر یعنی رازی یا مدائنی یہ پرلے درجے کے ضعیف ہیں اور اُن کو درجۂ صحت میں تسلیم نہیں کیا گیا، اور امام ترمذی نے ترمذی شریف میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا۔ "ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب لا نعرفُہٗ الامن ھذا الوجہ من حدیث ابی جعفر وھو غیر الخطمی" یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور اس حدیث کو ہم اسی سند کے ذریعہ جانتے ہیں اور اس میں ابو جعفر "ابو جعفر خطمی"

نہیں ہے۔ جب یہ عبارت سامنے آئی تو فقیر انگشت بدنداں رہ گیا کہ اگر یہ ابو جعفر خطمی نہیں ہے تو جعفر رازی ہوگا یا مدائنی؟ اور یہ دونوں تو پرلے درجہ کے ضعیف ہیں، اِن کی حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کس طرح لکھ دیا۔ تتبع اور تلاش کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ یہاں پر ترمذی شریف میں کتابت کی غلطی ہے کیونکہ صحیح ترمذی کی شرح امام ابن عربی المالکی کے مصری چھاپہ میں الفاظ ہیں۔ ''وھوا لخطمی ''، یعنی یہ ابو جعفر خطمی ہے، مدائنی یا رازی نہیں۔ تب میرے دِل کو قرار نصیب ہوا کہ ترمذی شریف جو صحاح ستہ میں شامل ہے، میں ایسے ضعیف اور خراب راویوں کا وجود نہیں۔ نیز مسند امام احمد بن حنبل میں بھی اس حدیث کی ایک سند اس طرح ہے۔ "حدثنا عبدالله حدثنی ابی حدثنا مومل حدثنا حماد یعنی ابن سلمة قال ثنا ابو جعفر الخطمی"

(مسند شریف۔ ج:۴، ص ۱۳۸)

اِس حدیث سے بھی واضح ہوگیا کہ یہ ابو جعفر خطمی ہے اور یہاں پر رازی یا مدائنی کا ذکر محض مغالطہ ہے یا دوسری سند ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

وسیلے کا پہلا منکر؟

اُمتِ محمدیہ میں وسیلہ کا سب سے پہلے انکار کرنے والے ابن تیمیہ ہیں اور اس موضوع پر اُنہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا "قاعدۃ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ" اس کتاب کی ''عبارتیں پیش کی جاتی ہیں، جو ان کی ذہنیت

کی غمازی کرتی ہیں۔ پہلی عبارت ملاحظہ ہو۔

"الشیٰطین قد تعینهم وتتصور لهم فی صورالآدمیین فیرونهم باعینهم ویقول احد هم انا ابراهیم، انا المسیح، انا محمد، انا الخضر، انا ابو بکر، انا عمر، انا عثمان، انا علی، انا الشیخ فلان وقد یقول بعضهم عن بعضٍ هٰذا هو النبی فلان او هٰذا هوالخضر ویکون اولئك كلهم جنّا یشهد بعضهم لبعض"۔ (التوسل والوسیلہ ص ۱۷)

ترجمہ: شیطان لوگوں کی شرک میں مدد کرتے ہیں اور شیطان ان لوگوں کے لئے آدمیوں کی صورت میں اس طرح سامنے آتے ہیں کہ وہ لوگ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور شیطانوں میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں ابراہیم ہوں، میں مسیح (عیسیٰ) ہوں، میں محمد ہوں، میں خضر ہوں، میں ابوبکر ہوں، میں عمر ہوں، میں عثمان ہوں، میں علی ہوں، میں فلاں شیخ ہوں، نیز وہ شیطان ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ تو فلاں نبی ہے یا یہ خضر ہے۔ حالانکہ یہ تمام کے تمام جنات (شیاطین) ہوتے ہیں جو ایک دُوسرے کے نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

دُوسری عبارت مُلاحظہ ہو!

"مثل ان یری القبر قد انشق وخرج منه المیت کلّمهٗ وعانقه وهٰذا یریٰ عند قبور الانبیاء وغیر هم وانما هو شیطان فان الشیطان یتصور بصور الانس ویدعی احد هم انه النبی فلان اوالشیخ فلان ویکون کاذبافی ذالك، ص ۲۵

ترجمہ: مثلاً کوئی شخص کسی قبر کو دیکھتا ہے کہ وہ پھٹ گئی اور اس میں سے میت باہر نکل آئی اور اس نے اس شخص سے بات چیت کی اور معانقہ تک کیا اور وہ شخص یہ سارا معاملہ انبیاء کی قبروں کے پاس دیکھتا ہو یا ان کے علاوہ (کسی اور قبر کے پاس) پس وہ نظر آنے والا شیطان ہوتا ہے کیونکہ شیطان انسانوں کی صورتوں میں آجاتا ہے، اور شیطانوں میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ فلاں نبی ہے یا فلاں شیخ ہے حالانکہ وہ ایسا کہنے میں جھوٹا ہوتا ہے۔ (کیونکہ حقیقت میں وہ شیطان ہے)

ان دو مذکورہ عبارات کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص ہے جس کا دل خون کے آنسو نہ روئے کہ کیا امّت محمدیہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انبیاء واولیاء کی گستاخی پر کمر بستہ ہوں، لیکن تعجب ہے کہ لوگ انہیں شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں۔ یہ باتیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ صاحب سے بعض بڑے اچھے امور بھی ثابت ہیں لیکن ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ ایک من دودھ کو گندگی کا فقط ایک قطرہ ناپاک کر دیتا ہے۔

نیز جناب ابنِ تیمیہ صاحب نے اپنی مخالف صحیح حدیثوں کو ضعیف بلکہ موضوع قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مثلاً حدیثِ اعمیٰ (نابینا صحابی کی حدیث) جس کا بیان ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، اور اسی طرح حدیث "من زار قبری وجبت له شفاعتی" جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی'' بلکہ اس جیسی کئی حدیثوں کو ضعیف قرار دیا۔ ''الحمد للہ'' ان تمام بے بنیاد اعتراضات کے جوابات اہلسنت کے جلیل القدر عالم دینِ الامام

الحافظ تقی الدین سبکی نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''شفاء السقام'' میں دیئے ہیں۔
جناب ابنِ تیمیہ کی دیکھا دیکھی بعض معاصرین نے اپنی کتابوں میں ان سوالات کو اپنی طرف سے پیش کیا، گویا وہ خود ان اعتراضات کے موجد ہیں، لیکن ان کے جوابات عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ رکھے یہ کتنی بڑی علمی خیانت اور جہالت کا مظاہرہ ہے۔

مزارات پر دُعا کرنے کا دوسرا طریقہ

صاحبِ قبر کو مخاطب کر کے کہنا کہ ہماری اس مشکل اور حاجت کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں۔

مذکورہ بالا عبارت میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ اللہ کو چھوڑ کر بندوں سے سفارش کا طالب ہونا۔

۲۔ کیا یہی عقیدہ مشرکین کا نہیں تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے تھے۔

ہر ایک کے بارے میں ترتیب وار بیان ملاحظہ ہو۔

۱۔ اللہ کو چھوڑ کر اُس کے بندوں کو سفارشی بنانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔

(پ۲ سورۃ البقرہ آیت:۱۸۶)

ترجمہ: اور اے حبیب میرے بندے جب میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو آپ فرمادیں کہ یقیناً میں ان کے قریب ہوں، دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دُعا کرے، تو چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں۔

جہاں یہ ارشاد فرمایا وہاں یہ بھی ارشاد ہوا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (پ۵ سورۃ النساء۔ آیت:۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے اللہ کے حکم سے، اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آجاتے آپ کے پاس پھر مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتا اُن کے لئے رسول تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا۔

اِن دونوں آیتوں کو پڑھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دُعا قبول کرنے والا حقیقتاً اللہ ہی ہے اور اگر کوئی شخص کسی کے وسیلے کے بغیر دُعا کرے تو بھی اللہ تعالیٰ اِس کی دُعا کو سنتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق قبول بھی فرماتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا قائل ہو کہ اللہ تعالیٰ بغیر وسیلے کے کبھی بھی دُعا قبول نہیں فرماتا ہے تو وہ گمراہ ہے اور ایسا سوچنا قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ وسیلہ اور سفارش کو پسند فرماتا ہے اسی لئے اس نے فرمایا۔

"جب اُنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تھا تو وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے۔"

یعنی فقط اُن کا مغفرت طلب کرنا انہیں کافی نہ ہوتا بلکہ اُن کا آپ کی بارگاہ میں حاضری دینا اور آپ کا اُن کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور بارگاہِ ایزدی میں سفارش کرنا اُنہیں کفایت کر جاتا۔

عقیدۂ فاسدہ

اگر کسی جاہل کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ چاہے یا نہ چاہے لیکن اُس کے مقدس اور پیارے بندے ہمارا یہ کام کر سکتے ہیں یا اللہ سے کروا سکتے ہیں تو یہ عقیدہ بالکل فاسد اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
(پ۳ سورہ بقرہ، آیت:۲۸۴)

آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ ہی کے لئے ہیں، یعنی یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور تصرف میں ہے۔

پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ کائنات مملوک بھی ہو اور اپنے مالک (اللہ) پر حکم بھی چلائے یا اس سے زبردستی کوئی بات منوائے (العیاذ باللہ وتعالیٰ اللہ عن ذالك علواً كبيرا)

ہاں، اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کی گزارش

اور التجاء کو بربنائے محبت رد نہیں فرماتا ہے تو بالکل بجا ہوگا کیوں کہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو خالی نہیں لوٹاتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِہَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِہَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ (بخاری شریف: ج:۲،ص:۹۶۳۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اُسے اعلانِ جنگ ہے، اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا وہ قُرب حاصل نہیں کرتا جو میرے فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو جب میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اُس کی سمع ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصر ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا، اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے

تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے لئے عظیم الشان نوید ہے۔ اس پر مفصل بحث انشاء اللہ العزیز کسی اور موقع پر کی جائیگی۔ سرِ دست گزارش ہے کہ یہاں حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ میرا مقرب بندہ مجھ سے جو کچھ مانگے گا میں اسے ضرور عطا فرماؤں گا۔ یہی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کے سوال کو پورا کرنے کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اپنے ذمہ رحمت میں لے لیا کہ وہ انہیں خالی نہیں لوٹائے گا۔

مزید برآں یہ کہ حدیث مبارکہ مطلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ اُس سے جس وقت، جس حال میں جس جگہ اور جس عالم میں جو کچھ بھی مانگے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عطا فرماتا ہے، خواہ وہ بندہ دنیا میں ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت میں۔

کیونکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے اپنی قبروں میں سنتے، بولتے اور حرکت کرتے ہیں، الغرض زندہ ہوتے ہیں، اسی لئے ہم اولیاء کرام کے مزارات پر حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگیں کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق آپ کو خالی نہیں لوٹائے گا۔

ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ بسا اوقات کئی لوگ اولیاء کرام کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے یا ان کے مزارات پر گئے، دعا مانگی مگر وہ قبول نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہاں گیا۔

اِس بارے میں گزارش ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم نے نہیں، اُسی سے سوال کرو کہ یا اللہ! تیرہ وعدہ کہاں گیا۔ ہم اس جواب کے پابند نہیں، ہاں لگے ہاتھوں یہ کہتا جاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا“۔ مگر کئی مرتبہ بظاہر دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اس کا مفہوم یہ نہیں کہ اللہ کا وعدہ غلط ہوگیا (نعوذ باللہ) بلکہ دُعائیں قبول ہوتی ہیں لیکن قبولیت کا اظہار اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے، کبھی اس دُنیا میں اور کبھی عالم آخرت میں بصورتِ ثواب۔

۲۔ کیا یہی عقیدہ مشرکین کا نہیں تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے تھے؟

آج کل کے سُنّی انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو سفارشی تصور کرتے ہیں۔ اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ اِسلام میں کئی امور ایسے ہیں کہ اولاً دورِ جاہلیت میں بھی لوگ ان پر عمل پیرا تھے لیکن ان امور میں اعمالِ رذیلہ شامل کر دیئے گئے تھے اِس لئے وہ عنداللہ قابلِ قبول نہیں تھے۔ پھر وہ اعمال تمام عیوب ونقائص سے مُبّرا مُصفّا کر کے جدید تدوین کے ساتھ اِسلام میں جاری وساری کر دیئے گئے۔ اِن میں چند بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مشرکین حج کرتے تھے لیکن اُنہوں نے اپنے حج میں فُحاشی وبیہودگی کو بھی شامل کر دیا تھا۔ مثلاً ننگے ہو کر طواف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان خرافات سے اِجتناب کرنے کے لئے فرمایا۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (پ۸ سورۃ الاعراف، آیت:۳۱) اے اولادِ آدم! مسجد کے پاس لباس سے زینت اختیار کیا کرو۔ اسی طرح صفا ومروہ کے درمیان سعی کا معاملہ کہ دورِ جاہلیت میں لوگ سعی کرتے تھے، اسی بنا پر صحابہ کرام اِسے جاہلیت کی رسم تصوّر کرتے ہوئے اِجتناب کرنے لگے لیکن اِسلام نے اِس امر کو برقرار رکھا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

”عن عاصم ابن سليمان سألت انس بن مالك عن الصفاء والمروة فقال كنا نرىٰ انهما من امر الجاهلية فلما كان الاسلام امسكنا عنهما فانزل الله ان الصفاء و المروة االآية۔“

(بخاری شریف، ج:۲:ص:۲۳۶)

عاصم بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے صفاء ومروہ کے درمیان دوڑنے کے بارے میں سوال کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم اُسے جاہلیت کی رسم تصور کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو ہم اسی بنا پر اس سے رُکنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

”بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جس نے بیت اللہ کا حج یا

عمرہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان چکر لگائے۔"

نیز اسی مقام پر حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت اس طرح ہے کہ یہ لوگ اپنے بُت "مناۃ" کے لئے تلبیہ بھی کہتے تھے، لیکن اِسلام نے اس مشرکانہ رسم کو ختم کر کے صفاومروہ کی سعی کو برقرار رکھا۔

۳۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا مسئلہ جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ مشرکین اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے لیکن اُس کے ساتھ ساتھ وہ بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ پس اسلام نے ان کے اس نظریہ کو باطل قرار دیا اور فرمایا۔ "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔" (پ ۱۷ سورۃ الانبیاء، آیت: ۲۲) اگر زمین وآسمان پر اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو درہم برہم ہو چکے ہوتے۔

مُشرکین بھی اللہ کی اُلوہیت کے قائل تھے لیکن ان کے لئے یہ سُود مند نہ ہوا، کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنے بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ رہا مومنین کا معاملہ تو وہ شرک کی نجاست سے دور رہے اس لیے ذاتِ باری پر ایمان لانا اُن کے لئے مفید ثابت ہوا۔

الغرض ہم فقط یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کسی امر کو اس لئے ناجائز اور حرام قرار دے دیا جائے کہ اس پر مشرکین بھی عمل پیرا رہے، اس لیے یہ کام ناجائز اور حرام ہے، قطعاً دُرست نہیں کیونکہ حج کرنا اللہ کی الوہیت اور صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا، تمام کا وجود دورِ جاہلیت میں پایا جاتا تھا اور اسلام میں بھی ہے۔

لیکن اسلام میں آنے کے بعد ان کے اندر جتنی خرابیاں تھیں اُن کو دور کر دیا۔ اور منقع اور مصفّا کر کے اسلام میں ان کو رائج کر دیا گیا اور اُن کو دین کی بنیاد بنا دیا۔

اِسی طرح مسئلہ شفاعت ہے کہ مشرکین اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو اپنے لئے شفاعت کرنے والا تسلیم کرتے تھے۔ نیز ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اگر اللہ نہ چاہے تب بھی یہ ہماری مشکلات حل کر سکتے ہیں یا کروا سکتے ہیں۔

پس ان خرابیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بُتوں کو وسیلہ اور سفارشی ماننے یا مددگار سمجھنے کی مذمّت قرآن مجید میں کثیر مقامات پر فرمائی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے مقرب بندوں کی شفاعت کے قبول کرنے کی نوید بھی ہمیں ارشاد فرمائی۔

بُتوں کی شفاعت قبول نہیں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ (پ ۲۱ سورۃ روم، آیت: ۱۲، ۱۳) اور جس دن قیامت قائم ہوئی مُجرم مایوس ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔

مقرب بندوں کی شفاعت قابلِ قبول ہے۔

"لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا" (پ ۱۶ سورۃ مریم، آیت: ۸۷) وہ لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہ مالک ہیں جنہوں نے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے۔ یعنی کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جنہوں نے شفاعت

کرنے کا وعدہ اپنے رب سے لے لیا ہے۔ وہ انبیاء اور اولیاء ہیں۔ اس لئے شفاعت کا بالکل انکار اِس آیت کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے فیصلہ کُن آیت پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ بتوں کی شفاعت نا قابلِ قبول اور اللہ کے مقرب بندوں کی شفاعت قابلِ قبول ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُوَ يَعْلَمُوْنَ" (پ ۲۵ سورہ زخرف، آیت ۸۶)

اور اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے اور پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، سوائے ان کے جو حق کی گواہی دیں یقینی علم رکھتے ہوئے۔ یعنی حق کی گواہی اور علم یقینی رکھنے والوں کو شفاعت کی اجازت واختیار رہوگا۔

آیتِ مذکورہ میں جہاں ملعون اور باطلوں کی شفاعت کے مردود ہونے کا ذکر ہے وہاں مقربین کی شفاعت کے مقبول ہونے کی نوید ہے۔

اس بیان کے بعد بھی اگر کوئی شخص حق کو قبول نہ کرے تو اس کے لئے ہدایت کی دُعا ہے۔

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بروز پیر

۲۹ مارچ ۱۹۹۲ء

آخری سفر
اور
یقینی سفر
ٹکٹ: مفت
سیٹ: محفوظ
مسافر کا نام: عبداللہ ابن آدم
عرضیت: انسان
شناخت: مٹی
پتہ: روئے زمین
سفر کی تفصیلات: روانگی: از دنیا، منزل: آخرت، پرواز کا وقت: وقتِ اجل
مدت سفر: چند ثانیئے، اور چند لمحوں کیلئے دو میٹر زیر زمین پرواز، ریزرویشن: 100 فیصد یقینی
ضروری ھدایات:
تمام مسافران سے درخواست ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنی نظر میں رکھیں جو اِن سے پہلے آخرت کی طرف سفر کر چکے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے قرآن وحدیث کو بغور پڑھیں اوران پر عمل کریں اگر کچھ سوالات درپیش ہوں تو جواب کیلئے محقق علماء سے رجوع فرمائیں۔
سامانِ سفر کی تفصیلات:
ہر مسافر اپنے ساتھ 20 میٹر سفید لٹھا اور تھوڑی سی رُوئی لے جاسکتا ہے۔ یاد رہے آپ کے کام آنے والا سامان صرف نیک اعمال، صالح اولاد اور وہ علم جس سے بعد میں دوسرے لوگ نفع حاصل کرسکیں اس کے علاوہ سامانِ سفر ساتھ لانے کی کوشش کی گئی تو اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔
تمام مسافران سے درخواست ہے کہ وہ پرواز کیلئے ہر وقت تیار رہیں۔ پرواز سے متعلق معلومات کے لئے قرآن وحدیث سے راہنمائی لیں اور مزید براں روزانہ پانچ وقت اللہ کے گھر کی حاضری ضروری ہے۔
آپ کی سہولت کے لئے دوبارہ عرض ہے کہ آپ کی سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں دوبارہ کسی گارنٹی کی ضرورت نہیں۔ اُمید ہے کہ آپ سفر کے لئے تیار ہوں گے۔ ہماری نیک تمنائیں اور دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کریم آپ کا حامی وناصر ہو۔ (آمین)